ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی اردو مطبوعات

کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۲۱۶	-/۲۵
۲۔ غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری	۳۳۲	-/۱۰۰
۳۔ صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	"	۳۸۸	-/۷۰
۴۔ مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	"	۲۰۰	-/۳۵
۵۔ اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	"	۱۷۶	-/۴۰
۶۔ اسلام اور مشکلاتِ حیات	"	۸۸	-/۸
۷۔ مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	-/۱۰۰
۸۔ مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام	"	۱۰۲	-/۲۰
۹۔ وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	"	۱۹۲	-/۴۰
۱۰۔ آزادئ فکر و نظر اور اسلام	"	۱۲۸	-/۴۰
۱۱۔ قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	-/۷۰
۱۲۔ عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱۳۶	-/۳۰
۱۳۔ ایمان وعمل کا قرآنی تصور	الطاف احمد اعظمی علیگ	۲۸۰	-/۲۵
۱۴۔ تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر عبیداللہ فراہی	۲۰۰	-/۲۵
۱۵۔ عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا	ڈاکٹر رؤف اقبال	۲۴۷	-/۲۵

:ملنے کے پتے:-

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ۔ ۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ دعوت نگر۔ ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

بحث ونظر

قرائنی شہادت کی شرعی حیثیت
اور
عصر حاضر کے تناظر میں اس کی اہمیت

ڈاکٹر سید ازکیا ہاشمی

عصر جدید میں واقعات کی صحت وصداقت اور شہادتوں کی جانچ پڑتال اور پرکھنے کے لیے جو ذرائع اور وسائل ایجاد ہو چکے ہیں، اثبات حق اور قیام عدل کے لیے ان سے استفادہ انتہائی ضروری ہے کیونکہ شریعت کا مقصود ومنشا ہی قیام عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ	ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف
وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ	نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا
الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ	اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان
بِالْقِسْطِ (الحدید: ۲۵)	نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اسلام کے قانون شہادت میں قرائن قاطعہ یا شہادت حالی (Circumstancial evidence) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فقہاء نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

القرینۃ القاطعۃ ھی	ایسی نشانی یا علامت جو حد یقین
الامارۃ البالغۃ حد الیقین[1]	تک پہنچنے والی ہو۔

---

[1] ابن انوس: "الفواکہ البدریہ" ـ ص ۸۳، "مجلۃ الاحکام العدلیہ" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ن، ص ۳۵۳

یہ ایسی ناقابلِ تردید شہادت ہوتی ہے جو حالات وواقعات سے اس طرح مستنبط ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی اور نتیجہ نکالنا مشکل ہوتا ہے۔

جدید دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجہ میں قرائن میں بڑی وسعت پیدا ہو چکی ہے۔ مثلاً پوسٹ مارٹم، ہاتھوں کے نشانات (Finger Prints) پاؤں کے نشانات، بالوں کا تجزیہ، ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کے ذریعہ تصاویر اور آوازوں کی ریکارڈنگ، اشیاء کا کیمیاوی تجزیہ (Chemical Examination) ایکسریز، DNA ٹیسٹ، تحریروں کی شناخت، فوٹو اسٹیٹ کے ذریعہ دستاویزات کی نقول وغیرہ ذرائعِ شہادت میں انتہائی مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کا قرآن وسنت اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں جائزہ لینا ضروری ہے کہ کیا قرآن وسنت میں قرائن کی شہادت کو تسلیم کیا گیا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کی آراء کیا ہیں؟ موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے قرائن میں جو اضافہ ہوا ہے ان کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی گنجائش شریعت میں موجود ہے یا نہیں؟ کیا عینی شہادت میسّر نہ ہونے کی صورت میں محض قرائن کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا قرائن شریعت میں مستقل ذریعۂ ثبوت ہیں یا ان کی حیثیت معاون ثبوت کی ہے کہ محض تقویتِ شہادت کے لیے ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟ یہ سوالات اہلِ علم اور محققین کے لیے انتہائی اہم اور غور طلب ہیں؛ راقم نے اس مقالہ میں قرآن وسنت اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے جس کی حیثیت محض طالب علمانہ بحث کی ہے اور اہلِ علم کو اس سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔ اس موضوع پر بحث وتحقیق ہی کے ذریعہ کسی متفقہ نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

قرائن کی بنیاد پر فیصلہ قرآن حکیم کی رُو سے

۱۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کی براءت کے لیے کوئی ظاہری شہادت موجود نہ تھی اس لیے قرائنی شہادت ہی کی تجویز پیش کی گئی۔

إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ — اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا اور اگر اس کا کرتہ پیچھے

اَلْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ" (یوسف: ۲۶-۲۹)	سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا، سو جب (شوہر نے) دیکھا کہ یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو کہنے لگا کہ یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے۔ بے شک تمہاری چالاکیاں بڑے غضب کی ہوتی ہیں۔ اے یوسف! اس بات کو جانے دو اور اے عورت! تو اپنے قصور کی معافی مانگ، بے شک سرتاسر تو ہی قصوردار ہے۔

قرآن حکیم نے قرائنی شہادت کی بنیاد پر اس فیصلہ کو درست تسلیم کیا۔

۲۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خون آلود قمیص دیکھ کر بغیر کسی چشم دید گواہ کے برادرانِ یوسف کو ملزم ٹھہراتے ہوئے فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا (یوسف - ۱۸)	بلکہ تمہارے دل نے ایک بات بنالی ہے۔

قرطبی لکھتے ہیں:

واجمعوا علی ان یعقوب استدل علی کذبهم بصحة القمیص[1]	علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یعقوبؑ نے قمیص کے صحیح سالم ہونے کی وجہ سے ان کے جھوٹ پر استدلال کیا۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

متی کان هذا الذئب حلیمًا یأکل یوسف ولا یخرق القمیص[2]	بڑا صابر بھیڑیا تھا کہ یوسف کو تو کھالیا مگر قمیص کو پھاڑا تک نہیں۔

---

[1] قرطبی: الجامع لأحکام القرآن، القاہرۃ، دارالکاتب العربی للطباعۃ والنشر، ۱۹۶۷ء ج ۹ ص ۱۵۰

[2] ایضاً: ۹/۱۴۹

قرائن کی بنیاد پر فیصلہ شرائع سابقہ میں

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ دو عورتوں کے درمیان ایک بچے کے بارے میں تنازعہ ہوا ان میں سے ہر ایک اسے اپنا بیٹا جتلاتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا تو انھوں نے فیصلہ دیا کہ بچے کے دو ٹکڑے کرکے ہر ایک کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا جائے۔ یہ سن کر حقیقی والدہ پکار اٹھی کہ یہ بچہ دوسری عورت کا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ بچہ اسی عورت کا ہے چنانچہ آپ نے اس کے حق میں فیصلہ کرکے بچہ اسے دلوا دیا۔[۱] اس واقعہ میں بھی فیصلہ قرائن کی بنیاد پر کیا گیا۔

قرائنِ شہادت پر فیصلہ سنتِ نبوی میں

سنتِ نبوی میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائن کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا مثلاً:

۱۔ ایک موقع پر ایک بچے کی ولدیت کے بارے میں آپ نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر اس کی شکل، صورت اور اعضاء ایسے ہوں تو وہ شریک کا بیٹا ہوگا اور اگر ایسے ہوں تو ہلال بن امیہ کا۔[۲]

۲۔ غزوۂ بدر میں معوّذ اور معاذ دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک ابوجہل کو قتل کرنے کا مدعی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قرائن کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ ان سے آپ نے سوال کیا کہ انھوں نے تلواریں تو صاف نہیں کیں؟ انھوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: انھیں لاؤ، تلواریں دیکھ کر آپ نے ایک تلوار کے متعلق ارشاد فرمایا: "هٰذا قتله" (اس تلوار نے اسے قتل کیا ہے) پھر ابوجہل کا سامان اس تلوار کے مالک کو دے دیا۔[۳]

۱؎ مسلم: الجامع الصحیح۔ کتاب الاقضیۃ۔ باب اختلاف المجتہدین

۲؎ ابوداؤد: السنن۔ کتاب الطلاق۔ باب فی اللعان

۳؎ مسلم: الجامع الصحیح۔ کتاب الجہاد۔ باب استحقاق القاتل فی سلب القتیل

۳۔ عہدِ نبوت میں ایک شخص نے اپنی بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کے متعلق شبہ ظاہر کیا کہ وہ ولد الزنا ہے کیونکہ اس کی صورت سیاہ رنگ کی ہے جب کہ اس کے خاندان میں کوئی شخص بھی سیاہ رنگت کا نہیں، آنحضرت[ؐ] نے پوچھا "کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟" اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا ان کی رنگت کیا ہے؟ کہنے لگا "سرخ رنگ کے ہیں"۔ آپ نے فرمایا: کیا ان میں کچھ سیاہی مائل بھی ہیں؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں" آپ نے فرمایا: یہ کیسے ہوگیا؟ کہنے لگا: اراہ عرق نزعہ۔ (میرا خیال ہے کسی رگ نے اسے اس طرف کھینچ لیا ہے) آپ نے فرمایا:

فلعلّ ابنك هٰذا نزعه عِرقٌ[1]	ممکن ہے تیرے لڑکے کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔

۴۔ آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وسلم کے سامنے نُعیمان یا ابن النعیمان اس حالت میں پیش کیا گیا کہ وہ نشے کی حالت میں تھا۔ آپ نے اسے حد لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے چھڑیوں اور جوتوں سے مارا گیا اور چالیس ضربیں پوری کی گئیں[2]۔ واضح رہے کہ شراب کی حد عموماً قرائن کی بنا پر لگتی ہے اور کسی شخص کا نشہ کی حالت میں ہونا شراب پینے کا ایک قرینہ ہے۔

قرائن کی بنیاد پر فیصلہ فقہاء کی نظر میں

متعدد مسائل میں فقہاء قرائن کی بنیاد پر فیصلہ کو درست قرار دیتے ہیں۔ ابو الحسن علی بن خلیل طرابلسی نے "معین الحکّام" میں ایسے ۲۴ مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں قرائن کی بنیاد پر فیصلہ دینے میں فقہاء متفق ہیں[3]۔ علامہ ابن قیّم نے بھی "الطرق الحکمیة" میں اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں[4]۔ ان قرائن میں سے اہم یہ ہیں:۔

---

[1] بخاری: الجامع الصحیح۔ کتاب المحاربین۔ باب ماجاء فی التعریض [2] ایضاً۔ کتاب الحدود۔ باب ماجاء فی الضرب فی شارب الخمر

[3] طرابلسی: معین الحکّام فی مایتردّد بین الخصمین من الاحکام، ص ۱۹۱ - ۱۹۲۔ ابن القیم: الطریق الحکمیہ فی السیاسة الشرعیہ بیروت، دار الکتاب العلمیة (س۔ن) ص ۶-۹، عبد القادر عودہ: التشریع الجنائی الاسلامی۔ القاہرة۔ مکتبہ دار التراث: ج ۲ ص ۳۳۹ - ۳۴۱

[4] الطرق الحکمیة ص ۶-۹

مثلاً شراب کی بو، منہ سے آنا یا شراب کی قے یا نشہ شراب نوشی کا واضح قرینہ ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قرینۂ ظاہرہ پر اعتماد کر کے اس شخص پر حد نافذ کرنے کا حکم دیا تھا جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو یا جس نے شراب کی قے کی ہو[1] کسی ایسی عورت کا حمل ظاہر ہونا جس کا نہ کوئی شوہر ہو نہ آقا تو یہ زنا کے لیے واضح قرینہ ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ نے اس عورت کے رجم کا حکم دیا تھا جس کا حمل ظاہر ہو گیا تھا اور اس کا نہ کوئی شوہر تھا نہ آقا[2]

ملزم سے مالِ مسروقہ کا برآمد ہونا بھی واضح قرینہ ہے جو ثبوت کی دیگر صورتوں میں گواہی اور اقرار دونوں کے مقابلہ میں قوی تر ہے، اسی طرح مقتول جو خون میں لت پت پڑا ہو اور ایک شخص اس کے سر پر چھری لیے کھڑا ہو بالخصوص جب کہ وہ شخص مقتول کے ساتھ اپنی دشمنی کے لیے بھی مشہور ہو تو اس صورت میں اسی شخص کو قاتل ٹھہرایا جائے گا۔ قرینہ کی بنا پر حکم لگانے کی یہ مثال بھی فقہاء نے ذکر کی ہے کہ اگر ہم کسی ایسے شخص کو جس کی عادت ننگے سر پھرنے کی نہیں، ننگے سر جاتے ہوئے دیکھیں، اس کے سامنے ایک اور شخص پگڑی باندھے ہوئے اور ایک پگڑی ہاتھ میں لیے بھاگ رہا ہو تو ہم یہ فیصلہ کر دیں گے کہ بھاگنے والے شخص کے ہاتھ میں جو پگڑی ہے وہ قطعی طور پر اس شخص کی ہے جو ننگے سر ہے۔ یہاں ہم قرینۂ ظاہرہ کی بنا پر یہ فیصلہ دیں گے جو دوسرے ہر قسم کے ثبوت اور اعتراف سے کہیں زیادہ قوی طریقۂ ثبوت ہے۔ مدّعیٰ علیہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو فیصلہ مدّعی کے حق میں کیا جائے گا جسے "قضاء بالنکول" کہا جاتا ہے، کیونکہ مدّعیٰ علیہ کا قسم سے انکار دعویٰ کی صداقت کا واضح قرینہ ہے جس کی بنا پر فیصلہ مدّعی کے حق میں کیا جائے گا[3]

---

[1] الطرق الحکمیۃ ص ۶-۹

[2] ایضاً

[3] دیکھئے معین الحکام ص ۱۶۱-۱۶۲؛ ابن قدامۃ: المغنی: ۱۰/۶ - "النکول عن الیمین وردّہا" کی =

اگرچہ متعدد مسائل میں فقہاء قرائنی شہادت کو تسلیم کرتے ہیں مگر جمہور فقہاء مثلاً شوافع، احناف اور حنابلہ حدود میں قرائن کو بطور دلیل تسلیم نہیں کرتے کیونکہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ دم اور حدود کے معاملات میں احتیاط برتی جائے اور حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں[۱]، جیسا کہ شریعت کا اصول ہے۔ اس سلسلے میں وہ بعض احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں مثلاً ایک ایسی عورت کے متعلق جس کے بدکار ہونے کے بارے میں قرائن واضح طور پر شہادت دے رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکنت راجمًا اَحَدًا بغیر بینۃٍ لرجمت فلانۃً فقد ظہر فیہا الریبۃ فی منطقہا وھیئتہا ومن یدخل علیہا۔[۲]	اگر میں گواہوں کے بغیر کسی کو رجم کر سکتا تو فلاں عورت کو ضرور رجم کر دیتا کیونکہ اس کی باتوں سے، اس کی ہیئت سے اور جن لوگوں کی اس کے پاس آمد و رفت ہے، ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زانیہ ہے۔

باوجود واضح قرائن کے آپؐ نے اس عورت پر حد جاری نہیں فرمائی۔

اسی طرح امام احمد اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے شراب پی۔ وہ نشہ کی وجہ سے راستے میں جھوم رہا تھا۔ لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے چلے جب وہ حضرت عباسؓ کے مکان تک پہنچا تو جان چھڑا کر ان کے گھر داخل ہو گیا اور ان کے پاس پناہ لے لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا: "اَفَعَلَھَا" (کیا اس نے ایسا کیا تھا؟) پھر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیا۔[۳] اس واقعہ سے

---

[۱] بحث کے لیے دیکھئے التشریع الجنائی ۲/۳۳۹ - ۳۴۱

[۲] ترمذی: الجامع - ابواب الحدود، باب ماجاء فیمن لاتجب علیہ الحد وباب ماجاء فی درء الحدود

[۳] ابن ماجہ، السنن، ابواب الحدود، باب من اظہر الفاحشہ۔

[۴] معالم السنن: ۳/۳۳۷

معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قرینہ (نشہ) کے باوجود حد جاری نہیں فرمائی۔

حنابلہ میں سے ابن قیم اور ابن تیمیہ، احناف میں سے ابن الغرس (م ۸۹۴ھ) اور مالکیہ میں سے ابن فرحون اور ابن جزی حدود میں بھی قضا، بالقرائن کو درست سمجھتے ہیں اور مالکیہ کا بھی عموماً یہی مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک بھی حدِ خمر دو شرائط کے ساتھ جاری کی جائے گی۔ ایک یہ کہ کوئی شخص نشے کی حالت میں ہو اور دوسری شرط یہ کہ اس کے منہ سے شراب کی بو بھی آ رہی ہو۔[۱]

حدود میں قرائن کی شہادت کو درست سمجھنے والے فقہا ایسی عورت پر حد لگانے کے بھی قائل ہیں جو حاملہ ہو اور کسی کے نکاح یا ملکیت میں نہ ہو۔ اسی طرح شراب کی بو اور قے کی بنا پر حدِ خمر اور مالِ مسروق ملزم کے گھر سے برآمد ہونے کی بنا پر حدِ سرقہ کو درست سمجھتے ہیں۔[۲]

اس سلسلے میں ان کا استدلال قرآن حکیم میں مذکور قصۂ یوسف سے ہے جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے برادرانِ یوسف کے کذب پر یوسفؑ کی صحیح سالم قمیص سے استدلال کیا تھا اور عزیز مصر کی بیوی کے الزام سے ان کی براءت ایک قرینہ (یعنی پیچھے سے پھٹی ہوئی قمیص) سے ہوئی۔ نیز وہ بعض روایات و آثار سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ کا ایک شخص کو نشہ کی حالت میں دیکھ کر حد جاری کرنا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شراب کی بو سونگھ کر ایک شخص پر حد جاری کرنا وغیرہ۔[۳]

شہادت کی اہمیّت اور ابن قیّم وغیرہ کا مسلک

اسلامی قانونِ شہادت کی رُو سے زنا کے جرم کے ثبوت کے لیے چار گواہوں

---

۱ ابن ہمام: شرح فتح القدیر۔ بولاق۔ مصر، مطبع الکبریٰ الامیریہ ۱۳۱۵ھ ج ۴ ص ۱۷۸، ۱۸۱ نیز التشریع الجنائی ۲/ ۵۱۱ - ۵۱۲

۲ ابن قیم: اعلام الموقعین۔ بیروت۔ دارالجیل ۱۹۷۷ء ج ۱ ص ۱۰۳

۳ الطرق الحکمیۃ ص ۶ نیز المنتقی بشرح الموطا: ۳/ ۱۴۱

کی گواہی ضروری ہے[1]۔ دیگر دیوانی اور فوجداری جرائم کے ثبوت کے لیے دو گواہ درکار ہیں (مثلاً وصیت اور طلاق کے معاملہ میں دو جگہ دو گواہوں کی گواہی کا ذکر ہے[2]) اور مقدّمات مالی میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو کافی سمجھا گیا ہے[3]۔

قرآن حکیم میں اگرچہ شہادت کا یہ نصاب مقرر ہے مگر بقول ابن قیمؒ قرآن و سنت میں کہیں یہ حکم موجود نہیں کہ جب تک (زنا کے علاوہ) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں نہ ہوں تو شہادت تسلیم ہی نہ کی جائے اور نہ نصوصِ قرآن و حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ اس سے کم ہونے کی صورت میں ان کی شہادت پر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا[4] جیسا کہ محض شراب کی بُو اور نشہ کی حالت کو حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے حد کے لیے کافی سمجھا ہے۔

عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں متعدد ایسے واقعات پیش آئے جن میں گواہوں کی تعداد مقررہ نصابِ شہادت سے کم تھی، بعض مقدمات میں صرف ایک ہی گواہ دستیاب تھا۔ اس صورت میں آپ نے ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے قسم لے کر مقدمہ کا فیصلہ فرمایا اور "قضاء بالیمین مع الشاھد" کا اصول دیا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قضیٰ بیمین وشاھد[5]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کی قسم اور ایک گواہی کی بنا پر فیصلہ فرمایا۔

اسی قانون کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فیصلے کیے[6]۔

فقہاء کے نزدیک بوقت ضرورت ان شہادتوں کو بھی تسلیم کیا جائے گا جنھیں عام حالات میں قبول نہیں کیا جاتا مثلاً خود قرآنِ حکیم میں اس کی اجازت ہے کہ

۱؎ النساء: ۱۵، النور: ۴ ۲؎ المائدہ: ۱۰۶، الطلاق: ۲
۳؎ البقرہ: ۲۸۲ ۴؎ اعلام الموقّعین ۱/۹۱-۹۲
۵؎ مسلم۔ کتاب الاُقضیۃ۔ باب القضاء بالیمین والشاہد
۶؎ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ مالک: مؤطا؛ کتاب الاقضیہ، باب القضاء بالیمین مع الشاہد، ترمذی: =

دورانِ سفر اگر وصیت ضروری ہو جائے تو بوقت ضرورت دو غیر مسلموں کی گواہی کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔[۱] اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ بوقتِ ضرورت اثباتِ حق و اظہارِ حق کے لیے مقررہ معیارِ شہادت کے علاوہ کم معیار اور دیگر ذرائع کو بھی ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ شہادت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دعویٰ کی صداقت پر ثبوت واضح ہو جائے۔ اب اگر مقررہ نصابِ شہادت کے علاوہ کسی اور ذریعے سے وہ ثبوت حاصل ہو جاتا ہے تو فقہاء کے نزدیک اس کا اعتبار ہے جیسا کہ زیلعی نے "شرح کنز" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے:

شہادۃ النساء جائزۃ فیما	تنہا عورت کی گواہی صرف ان
لا یستطیع الرجال النظر	معاملات میں جائز ہے جنھیں مرد نہیں
الیہ[۲]	دیکھ سکتے۔

تمام فقہی مذاہب میں اس گواہی کو بالاتفاق قبول کیا گیا ہے۔ "مجلۃ الاحکام العدلیہ" (جو فقہ حنفی کی قانونی دفعات کا اہم مجموعہ ہے) میں ہے کہ معاملاتِ مال میں ان چیزوں کے متعلق جنھیں مرد معلوم نہیں کر سکتے تنہا عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔[۳]

ابن قیم کے نزدیک حقوق کے تحفظ اور دفعِ مظالم کے لیے قرائنِ شہادت پر بھی فیصلہ دینا ضروری ہے چاہے مقررہ نصابِ شہادت موجود نہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:
"اگر قاضی قرائن کو بالکل نظر انداز کر دے تو بہت سے ایسے لوگوں کے حقوق برباد اور ضائع ہو جائیں گے جن کے پاس عینی گواہ تو موجود نہ ہوں لیکن قرائن اور واقعاتی شواہد ان کے حق میں ہوں۔ اگر قاضی بے احتیاطی کرے اور قرائن کی قطعیت اور ظنیت کا جائزہ لیے بغیر فیصلہ دے دے تو اس طرزِ عمل سے ظلم و فساد کا اندیشہ ہے۔"[۴]

= ابواب الاحکام۔ باب ماجاء فی الیمین مع الشاہد۔ ابوداؤد، باب ماجاء فی الیمین مع الشاہد۔ سیوطی: تنویر الحوالک شرح علیٰ مؤطا مالک" قاہرۃ: مکتبۃ ومطبعۃ المشہد الحسینی ج ۲ ص ۲۰۱۔ عینی: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ بیروت، دار الفکر ج ۱۳ ص ۲۴۴۔ معین الحکام ص ۱۱۰ — ۱۱۸۔

[۱] المائدہ: ۱۰۶

[۲] زیلعی: "شرح کنز" ۴/۲۰۹

[۳] مجلۃ الاحکام العدلیۃ دفعہ: ۱۶۸۵ ص ۳۴۰

[۴] الطرق الحکمیۃ: ص ۳-۴

آگے لکھتے ہیں: "اگر قاضی کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے علاوہ دوسرے مقدمات کے موقع پر گواہی کی سچائی معلوم ہوجائے تو وہ ایک مرد کی گواہی پر فیصلہ دے سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ وہ بغیر دو گواہوں کے بالکل ہی فیصلہ نہ کریں۔ البتہ حقدار کا حق محفوظ رہنا ضروری ہے۔ یہ حق خواہ دو گواہوں کے ذریعہ محفوظ ہو۔ خواہ ایک مرد اور دو عورتوں کے ذریعہ، مگر اس حد بندی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حاکم ایک گواہی پر فیصلہ نہیں دے سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم بلکہ صرف ایک گواہ کے ساتھ بھی فیصلہ فرمایا ہے۔"[۱]

وہ اپنی اس رائے کی تائید میں علامہ ابن تیمیہ کے اس قول سے بھی استناد کرتے ہیں کہ "قرآن حکیم میں دو مرد اور دو عورتوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ فیصلہ کرنے والے اس تعداد کے پابند ہیں، بلکہ صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ اتنے گواہوں سے حق دار کا حق محفوظ رہتا ہے"۔[۲]

مزید لکھتے ہیں: "شارع نے حقوق کے تحفظ کا دارومدار صرف دو مرد گواہوں پر نہیں رکھا ہے، نہ خون کے معاملے میں، نہ مال کے مقدمے میں اور نہ حد کے بارے میں، بلکہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے حمل کی وجہ سے حدِ زنا جاری کی اور صرف بُو اور قے کی بنا پر حدِ خمر لگائی، اسی طرح جب چور کے قبضے سے چوری کا مال جوں کا توں برآمد ہوجائے تو اسے حد لگائی جائے گی بلکہ یہ قرینہ حمل اور شراب کی بُو سے زیادہ ظاہر ہے"[۳]

ابن قیمؒ گواہی کی اس تعریف کو راجح قرار دیتے ہیں کہ جو چیز حق بات کو ثابت کردے وہی گواہی ہے۔ وہ حدیث "البیّنة علی المدّعی والیمین علی المدعیٰ علیہ"[۴] (ثبوت کا بار مدّعی پر ہے اور مدّعیٰ علیہ پر قسم ہے) کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ "قرآن حکیم، احادیثِ رسول اور کلام صحابہ میں بیّنہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حق کو ظاہر اور ثابت کردے اور قرآن وحدیث میں اس سے یہی معنی مراد لیے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے: "لَقَدْ اَرْسَلْنَا

---

[۱] الطرق الحکمیۃ : ص ۶۶-۶۷
[۲] ایضًا ص ۷۰
[۳] اعلام الموقعین ۱/۱۰۳
[۴] ترمذی، ابواب الاحکام۔ باب ماجاء فی ان البیّنة علی المدّعی والیمین علی المدّعیٰ علیہ ۳۲۷

رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ (الحدید:۲۵) قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ (الانعام:۵۷) وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ" (البینۃ: ۴) اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ کِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ" (فاطر: ۴۰) ان آیات میں لفظ "بیّنہ" یا "بیّنات" روشن دلیل یا ظاہر حق یا دلیلِ حق کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدّعی سے سوال کیا " اَلَکَ بَیِّنَۃٌ؟" (کیا تمہارے پاس (دعویٰ کی سچائی پر) کوئی دلیل ہے؟) اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیّنۃ سے مراد ہر وہ دلیل ہے جو دعویٰ کو ثابت کر دے خواہ اس کی حیثیت گواہ کی ہو یا کوئی دوسری چیز ہو (جس سے ثبوت ملتا ہو) گویا ثبوتِ حق کسی ایک معین چیز پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ فقہار نے اسے صرف دو گواہ یا ایک گواہ اور قسم کے ساتھ خاص کر دیا ہے"۔ مزید لکھتے ہیں کہ "عینی شہادت، تحریری شہادت، قسم، اقرار اور ہر قسم کی واقعاتی شہادت، غرض یہ سب چیزیں "بیّنۃ" کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ اس لیے اگر کسی مقدمہ میں عینی گواہوں کی مقررہ تعداد میں کمی ہو یا گواہ بالکل نہ ہوں تو اس وقت کسی بھی قسم کے بیّنہ کو جو یقین کا فائدہ دیتا ہو، قبول کر لیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا"[۱] علامہ ابن قیم اپنی دوسری کتاب "الطرق الحکمیۃ" میں اسی مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" بیّنۃ ہر اس دلیل کو کہتے ہیں جو حق کو واضح اور ظاہر کرتی ہو۔ جو لوگ اسے دو گواہوں یا چار گواہوں یا ایک گواہ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں وہ اس لفظ کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔ قرآن حکیم میں بیّنۃ کا لفظ کسی جگہ بھی دو گواہوں کے معنی میں نہیں استعمال ہوا بلکہ حجّت، دلیل اور برہان کے معنوں میں آیا ہے خواہ کوئی چیز انفرادی طور پر دلیل ہو یا کئی چیزیں مل کر دلیل بنی ہوں۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "البیّنۃ علی المدّعی" کا مطلب یہ ہے کہ مدّعی ایسی دلیل اور ثبوت پیش کرے جس سے اس کے دعویٰ کی صحت وصداقت ثابت ہوتی ہو۔ تاکہ اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے۔ دو گواہ بھی بیّنۃ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ لیکن اس میں

---

[۱] اِعلام الموقّعین ۱/ ۹۰-۹۱

کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات گواہوں کے علاوہ دوسرے دلائل قوی تر ہوتے ہیں مثلاً مدّعی کے صادق ہونے پر حالات و واقعات کی شہادت گواہ کی گواہی سے قوی تر دلیل ہے۔[1]

عصرِ حاضر میں قرائنی شہادت کی اہمیت اور اس کی شرعی حیثیت

قرآنِ حکیم، احادیثِ نبوی، روایات و آثار اور فقہاء کی آراء سے واضح ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلامی میں واقعات اور قرائن کے ذریعہ شہادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کی بنیاد پر فیصلے کیے ہیں۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے قرائن میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو چکی ہے اور واقعات کی صحت، شہادتوں کی جانچ پرکھ، اثباتِ دعویٰ اور ردِّ دعویٰ میں ان کی اہمیت بہت بڑھ چکی ہے، بلکہ بعض اوقات ان کی شہادت عینی شہادتوں سے بھی زیادہ واضح، درست (AUTHENTIC) قطعی اور یقینی ہو جاتی ہے، اس لیے شریعت کے اصولوں کی روشنی میں نہ صرف ان سے استفادہ ضروری ہے بلکہ عین منشاءِ شریعت ہے تاکہ حقوق کا تحفظ اور جرائم کا انسداد ممکن ہو سکے۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ بالخصوص حدود کے معاملے میں محض قرائن پر اکتفا کافی نہیں کیونکہ یہ عموماً مستقل اور فیصلہ کن ذریعۂ ثبوت نہیں ہوتے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں، البتہ قرائن سے شہادت کو تقویت ملتی ہے جس سے عدل و انصاف کا حصول ممکن ہو جاتا ہے، اس لیے ہماری رائے میں حدود کے معاملہ میں اگر شہادت کا مقررہ نصاب مکمل نہ ہو مگر قرائنی شہادت دستیاب ہو تو جرائم کے انسداد کے لیے ضروری ہے کہ تعزیری سزا ضرور دی جائے اور جہاں قرائن انتہائی قطعی اور یقینی ہوں وہاں حد جاری کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض احادیث و آثار میں قرائن کے اعتبار اور عدمِ اعتبار سے متعلق اختلاف کی وجہ ان قرائن کی قطعیت و ظنّیت ہے۔ جہاں قرائن کی دلالت قوی ہوتی ہے اور وہ قطعی اور یقینی ذریعۂ ثبوت ہوتے

---

[1] "الطرق الحکمیہ" ص ۱۱-۱۲

ہیں وہاں شارع نے ان کا اعتبار کیا ہے، جیسے شراب کی بو اور نشہ وغیرہ۔ جہاں قرائن کی دلالت ضعیف ہوتی ہے، وہاں محض ظن حاصل ہوتا ہے، اس لیے ان کا اعتبار نہیں کیا گیا، جیسا کہ مدینہ کی بدکار عورت کے متعلق آپ نے قطعی اور یقینی ثبوت میسر نہ آنے کی وجہ سے محض ظن کی بنیاد پر حدِّ رجم جاری نہیں فرمائی (کیونکہ معاملہ حدود کا تھا)۔ فقہاء قرائن سے ایسی دلالت مراد لیتے ہیں جو ظنِ قوی کا فائدہ دیتی ہو یا ایسی علامت جو حدِّ یقین تک پہنچنے والی ہو۔

حدود میں قرائنی شہادت کی مثالیں

زنا میں قرائنی شہادت

جدید سائنسی ترقی کے نتیجہ میں یہ ممکن ہو چکا ہے کہ کسی عورت کے متعلق یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ اس نے زنا کیا ہے یا نہیں؟ مرد اور عورت کی منی کے ذریعہ جو کپڑوں کے ساتھ لگی ہو، تجزیہ کر کے بتایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بدکاری کی ہے۔ ویڈیو کیمروں کے ذریعہ ان کے بلیو پرنٹ نکالے گئے ہوں تو یہ بھی جرم زنا کے اثبات کے لیے ایک قرینہ ہیں (اگرچہ اس مقصد کے لیے ویڈیو کیمرے کا استعمال جائز نہیں) مگر اسے قطعی قرینہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس میں بھی دھوکے کا احتمال ہے، البتہ دیگر شواہد کے ساتھ اس قرینہ سے شہادت کو تقویت مل سکتی ہے۔

بعض اوقات کسی عورت کے ساتھ جبراً زیادتی کی جاتی ہے اور ثبوت کے لیے کوئی گواہی موجود نہیں ہوتی، اور نہ عورت کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے کے خلاف گواہ پیش کر سکے۔ اگرچہ اس کی مجبوری کی بنا پر شریعت نے اسے حد سے مستثنیٰ ٹھہرایا ہے لیکن اس کے ساتھ جبراً زیادتی بھی تو بہت بڑا ظلم ہے اور کتنی ہی عورتیں ہیں جن کے ساتھ جبراً زیادتی ہوتی ہے اور گواہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے بدکار مرد سزا سے بچ جاتے ہیں اور عورتوں کی عصمتیں ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہتیں۔ چند ماہ قبل پنجاب میں ایک کالج کی لڑکی کے ساتھ بااثر لوگوں نے جبراً زیادتی کی۔ مجرم گواہ نہ ہونے کی وجہ سے بری ہوئے اور لڑکی نے انصاف

نہ ملنے اور مجرموں کی طرف سے مزید دھمکیوں کے موصول ہونے پر خودکشی کرلی، اس طرح کے متعدد واقعات روز بروز پیش آتے رہتے ہیں، ان حالات میں کیا عینی شہادت ہی پر اکتفا ہونا چاہیے یا اگر قرائن و واقعات سے جرم ثابت ہوتا تو مجرم کو سزا ملنی چاہیے؟ یہ مسئلہ اس دور میں اہل علم کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ اگر شریعت کا منشا عدل کا قیام اور دفعِ ظلم ہے تو ہمارے خیال میں ان قرائن کی بنیاد پر مجرم کو ضرور سزا ملنی چاہیے، چاہے وہ تعزیر ہی کیوں نہ ہو۔ زنا عموماً رضامندی سے ہوتا ہے اور عہدِ نبوی میں تقریباً باہمی رضامندی سے کیے جانے والے اس عمل پر رجم کی سزائیں دی گئیں اور قرآنِ حکیم نے بھی چار گواہوں کی شرط ٹھہرائی لیکن جہاں کسی عورت سے جبراً زیادتی کی گئی ہو اور وہ مدّعی بھی ہو تو ظاہر ہے اس کے لیے چار گواہ لانا ممکن نہیں۔ اس صورتِ حال میں ظلم کے انسداد، عورتوں کے حقوق کے تحفّظ اور ثبوتِ دعویٰ کے لیے قرائن وغیرہ پر ہی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جدید دور میں DNA ٹیسٹ کے ذریعے بچے کی ولدیت کے بارے میں بھی بتایا جا سکتا ہے کہ وہ کس کا بچہ ہے؟ اگر کسی عورت پر بدکاری کا الزام ہو اور اسے کسی مرد کے ساتھ متّہم کیا جائے تو پیدا ہونے والے بچے کی ولدیت کی حقیقت اس ٹیسٹ کے ذریعہ معلوم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت کسی مرد پر زیادتی کا الزام لگائے اور اسے حمل ٹھہر جائے تو نومولود اور متّہم شخص کے ٹیسٹوں سے اصلیت معلوم کی جا سکتی ہے۔

بعض اوقات قرائن انتہائی قطعی اور یقینی ہوتے ہیں وہاں عینی شہادتوں کو بھی جو ان کے بالمقابل ہوں، رد کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر چار گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں عورت نے زنا کیا اور معائنہ کے بعد قابلِ اعتماد عورتوں نے بتلایا کہ عورت کنواری ہے تو نہ عورت پر زنا کی حد واجب ہوگی نہ گواہوں پر حدِ قذف لگائی جائے گی[1]
اسی طرح اگر ملزمہ کے متعلق میڈیکل رپورٹ جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ کنواری ہے، ان ڈاکٹروں کی طرف سے جاری ہو جن کے تقویٰ اور تدین پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور

---

[1] ابن قدامۃ : المغنی، مصر، مطبعۃ المنار۔ ۱۳۴۸ھ ج ۱۰ ص ۱۸۹

وہ رپورٹ عینی شہادتوں کے برخلاف ہو تو یہ ایک قرینۂ قاطعہ ہے جسے شہادتوں کے برخلاف قبول کرنا چاہیے۔

فقہاء ارتکاب زنا میں کنواری غیر شادی شدہ عورت کے حاملہ ہونے کو یا شادی شدہ عورت کے، شادی کے بعد چھ ماہ کی مدت سے قبل بچہ جننے کو معتبر قرینہ خیال کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے ایسی عورت پر اسی قرینہ کی بنا پر حد بھی جاری کی تھی (جیسا کہ گزر چکا ہے) اگرچہ امام ابوحنیفہ اس قرینہ کا اعتبار اس وقت کرتے ہیں جب کہ عورت سے زنا کا اقرار کروایا جائے، ممکن ہے اس کے ساتھ جبراً زیادتی ہوئی ہو یا شبہ میں مباشرت ہو گئی ہو۔ لیکن اگر حالات و قرائن سے اس کی نفی ہوتی ہو اور رضامندی سے بدکاری ثابت ہوتی ہو تو کم از کم تعزیری سزا ضرور ملنی چاہیے۔ زنا کی سزا چونکہ بہت سخت ہے اس لیے جمہور فقہاء عینی شہادت کو ضروری قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اگر حاکم نے بچشم خود بھی زنا کا مشاہدہ کیا ہو تو وہ اپنے علم و مشاہدہ کی بنیاد پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا کیونکہ قرآن حکیم میں چار آدمیوں کی گواہی کا ذکر ہے[1] حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے "لو رأیتُ احداً علی حدٍّ لم احدہ حتی تقوم البینۃ عندی"[2] (اگر کسی کو اپنی آنکھوں سے بھی موجب حد جرم کا ارتکاب کرتے دیکھوں تب بھی اس وقت تک اپنی طرف سے حد جاری نہیں کرسکتا جب تک میرے سامنے اس کا ثبوت نہ آجائے) اسی طرح جیسا کہ گزر چکا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی ایک عورت کو اس کی مشکوک حرکتوں کی بناء پر بدکار سمجھتے تھے مگر ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد رجم جاری نہیں فرمائی گویا زنا کی سزا کے لیے قطعی اور یقینی ثبوت ضروری ہے جو عینی گواہوں کے ذریعہ ممکن ہے تاہم قرائن قویہ تعزیری سزاؤں کے جاری کرنے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

شراب نوشی میں قرائنی شہادت

پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے شراب کی

---

[1] النساء: ۱۵ [2] التشریع الجنائی ۲/۴۳۱

بو اور نشہ کی حالت میں ہونے پر حد جاری کی تھی، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی شراب کی بو کا آنا اور نشہ کی حالت حد جاری کرنے کے لیے واضح قرینہ ہیں[1] اگر دو گواہ گواہی دیں کہ انھوں نے ملزم کو نشہ کی حالت میں پایا اور اس وقت اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی تھی تو امام صاحب کے نزدیک ملزم پر حد جاری ہوگی[2]

موجودہ دور میں اس سے بھی واضح اور قطعی قرینہ ملزم کے پیٹ سے حاصل ہونے والے مواد کا کیمیاوی تجزیہ ہے CHEMICAL EXAMINATION کے ذریعہ اس مواد کا تجزیہ کر کے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ملزم نے شراب پی تھی یا نہیں؟ یہ شہادت عینی شہادت سے بھی زیادہ یقینی (AUTHENTIC) ثابت ہو سکتی ہے۔

سرقہ میں قرائنی شہادت

فقہاء کے نزدیک مالِ مسروق کا ملزم سے برآمد ہونا اثباتِ جرم کے لیے واضح قرینہ ہے۔ موجودہ دور میں چوری کا سراغ لگانے کے لیے جدید وسائل سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ان کی شہادت قرائنی شہادت کہلائے گی۔ مثلاً کوئی شخص قیمتی ہیرا یا موتی وغیرہ چرا لیتا ہے اور پکڑے جانے کے اندیشے سے اسے نگل لیتا ہے تو ایکسریز یا الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ اسے بآسانی پیٹ میں دیکھا جا سکتا ہے اور ان سے حاصل ہونے والی شہادت عینی گواہی سے زیادہ قطعی اور یقینی ہے۔ واضح رہے کہ شریعت میں چوری کا مقدمہ دو گواہوں کی شہادت یا ملزم کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے[3]

اسی طرح ملزم کے ہاتھوں کے نشانات (FING R PRINTS) پاؤں کے نشانات یا بال وغیرہ جائے واردات سے دستیاب ہوں تو ماہرین ان کے تجزیہ سے اصل مجرم کا سراغ لگا سکتے ہیں، کیونکہ ہر انسان کے ہاتھوں کی لکیریں، انگوٹھے کے نشانات دوسرے سے مختلف ہیں، اسی طرح بدن کے بال بھی دوسروں سے

---

[1] شرح فتح القدیر ۴/۱۷۸

[2] التشریع الجنائی ۲/۵۱۲

[3] کتاب الاختیار (ترجمہ سلامت علی خاں) لاہور، خیبر لا، پبلشرز ص ۶۳
۳۲۲

مختلف ہوتے ہیں۔ ماہرین اگر جائے واردات سے حاصل شدہ نشانات اور بالوں وغیرہ کا تجزیہ ملزم کے ہاتھ پاؤں کے نشانات اور بالوں سے کر کے مکمل مماثلت کا فیصلہ دیں تو یہ بھی ایک واضح قرینہ ہوسکتا ہے۔ اہم مقامات پر جہاں لوگوں کا زیادہ ہجوم ہو، کیمرے فٹ کیے جاتے ہیں اور اسکرین پر لوگوں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیا جاتا ہے، اسکرین پر اگر کوئی شخص چوری کرتا نظر آئے تو اس کے خلاف شہادت بمنزلہ عینی شہادت کے ہونی چاہیے۔

جدید دور میں سراغ رساں تربیت یافتہ کتوں سے بھی مدد لی جاتی ہے جو مقامِ واردات پر پائے جانے والے ملزم کے کپڑے، جوتے یا کسی دوسری استعمال شدہ چیز کو سونگھ کر اصل مجرم تک پہنچ کر اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں، اسے بھی مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ دیگر شواہد کے ساتھ یہ قرائن مل کر اثباتِ جرم کا قطعی اور یقینی ذریعہ بن جاتے ہیں۔

قتل میں قرائنی شہادت

فقہاء نے قتل کے معاملے میں قرائن کا لحاظ کیا ہے، مثلاً کوئی شخص خالی مکان سے اس حال میں باہر نکلا کہ اس کے ہاتھ میں خون آلود چھری تھی اور وہ گھبرایا ہوا تھا اور اسی وقت گھر میں ایک شخص ذبح شدہ پڑا دیکھا گیا تو اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ قاتل وہی شخص ہے (جو مکان سے نکلا ہے) اس صورت میں محض وہمی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے کہ ممکن ہے شخص مذبوح نے خودکشی کرلی ہو۔[1]

موجودہ دور میں قتل کی سراغ رسانی کے لیے جدید آلات و ذرائع سے بھی کام لیا جاتا ہے اور ان کے ذریعہ مجرم کی نشاندہی بآسانی ہوجاتی ہے۔ مثلاً پوسٹ مارٹم کے ذریعہ موت کا سبب دریافت کیا جاسکتا ہے کہ میّت کی موت طبعی ہے یا حادثاتی؛ نیز اس کی موت زہر کھانے کی وجہ سے ہوئی ہے یا تشدد وا ذیّت سے۔ البتہ صحیح اور درست رپورٹ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ماہر، متدیّن اور قابلِ اعتماد سرجن

---

[1] مجلہ الاحکام العدلیۃ: ص ۳۵۲

میّت کے پوسٹ مارٹم میں شریک ہوں۔ لیبارٹری میں میت کے خون کے تجزیہ سے بہت سے حقائق سامنے آسکتے ہیں۔ بالوں، ہاتھوں اور پاؤں کے نشانات کے تجزیہ اور موازنہ سے بھی ماہرین مجرم تک بآسانی پہنچ جاتے ہیں۔ آلۂ قتل دستیاب ہونے کی صورت میں اس پر پائے جانے والے، انگلیوں کے نشانات سے بھی ملزم تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اگر قتل کے دوران کسی نے تصویر اتار دی تو قاتل کی نشاندہی کے لیے یہ بھی واضح ثبوت ہے، بشرطیکہ دیگر ذرائع سے اس کی تائید ہوتی ہو اور فوٹوٹکنک میں جعلسازی کا اندیشہ نہ ہو، اسی طرح قاتل اور مقتول کے درمیان وقوعِ قتل سے پہلے کسی قسم کا جھگڑا ہوا ہو اور ان آوازوں کو جن میں مقتول کی چیخ پکار شامل ہو بذریعہ ٹیپ ریکارڈر ٹیپ کرلیا گیا ہو اور آواز کے ماہرین تصدیق کریں تو ان کی رائے کو بطورِ شہادت تسلیم کیا جانا چاہیے۔

خلاصۂ بحث

۱۔ گذشتہ تفصیل سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ جرائم کی تفتیش میں محض گواہوں پر انحصار کافی نہیں ہے۔ تمدّنی ترقی نے قرائن کا دائرہ بڑا وسیع کردیا ہے۔ جرائم کی تفتیش، حقوق کے تحفّظ اور انسدادِ ظلم کے لیے ان کی شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور ان کو نظر انداز کرنا کسی صورت میں شریعت کا منشا نہیں بلکہ اس کے مقاصد کو نقصان پہنچانا ہے۔

۲۔ اگرچہ قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ میں سچی گواہی دینے کی ہدایت اور تاکید کی گئی ہے اور گواہی چھپانے سے منع کیا گیا ہے[1] مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں تقویٰ و دیانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا جو عہدِ نبوت یا قرونِ اولیٰ میں پایا جاتا تھا۔ موجودہ حالات میں سچی گواہی اس لیے بھی مشکل ہوچکی ہے کہ گواہ عدمِ تحفّظ کا شکار ہوتے ہیں انھیں حکومت کی طرف سے کسی قسم کا تحفّظ فراہم نہیں ہوتا اور بعض اوقات سچی گواہی کے صلہ میں جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اس لیے گواہی دینے

---

[1] البقرہ: ۲۸۲-۲۸۳۔

سے عموماً احتراز کیا جاتا ہے، ان حالات میں جب کہ سچی گواہی مفقود ہو یا اس کے راستے میں مختلف رکاوٹیں حائل ہوں تو زیادہ تر اعتماد قرائن ہی پر کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے بھی قرائن کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

۳۔ عہدِ نبوی میں زنا کی سزا صرف مجرم کے اقرار پر لگائی گئی نہ کہ گواہوں کی شہادت پر۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ جرم زنا کے اثبات کے لیے چار عینی شہادتوں کا فراہم ہونا بہت ہی دشوار ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گواہی میں ذرا سے اشتباہ کی بنا پر وہ خود حدِ قذف کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ان حالات میں قرائن پر اعتماد مزید بڑھ جاتا ہے۔ اگرچہ محض قرائن پر حدِ زنا جاری نہیں کی جا سکتی البتہ تعزیری سزا دی جا سکتی ہے۔

۴۔ جرائم کے ثبوت میں عینی شہادتیں فراہم نہ ہونے کی صورت میں اگر قرائن کو نظر انداز کر دیا جائے تو محض اقرار پر اکتفا کرنا پڑے گا اور جرائم کی تفتیش سے متعلق افراد اور ادارے اعتراف کروانے کے لیے جبر و تشدد کا راستہ اختیار کریں گے اور یہ صورتحال عدل وانصاف کے راستے میں بڑی رکاوٹ پیدا کرے گی۔ اسی بنا پر حنابلہ میں سے علامہ ابن قیم اور احناف میں سے ابن غرس نے قرائن کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور حدود میں بھی ان کی شہادت کا اعتبار کیا ہے۔ جدید تمدنی زندگی میں جرائم کی تفتیش میں ان کی اہمیت پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ چکی ہے، اس لیے ہمیں اپنے نظامِ شہادت میں اسلامی اصولوں کی روشنی میں عصرِ حاضر کے تمدنی نظام کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر دور کے تقاضوں کا بخوبی ساتھ دے سکتا ہے اس لیے ہمیں اسلامی نظام کے نفاذ اور قانونِ اسلامی کی تدوین میں جدید دور کے تقاضوں اور معاشرتی تبدیلیوں کو بھی سامنے رکھنا ہوگا اور شریعت کے مقاصد و اہداف اور اس کے علل وحِکَم پر بھی اپنی توجہ مرکوز کرنی ہوگی۔

ان معروضات کی حیثیت محض ایک رائے کی ہے نہ کہ فتویٰ کی۔ راقم کو ان معروضات کی صحت پر اصرار بھی نہیں ہے۔ اس اہم مسئلہ کی طرف اہلِ علم کو متوجہ کرنے کے لیے اس بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔ امید ہے اہلِ تحقیق اسلامی نظامِ شہادت کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اسے اپنی بحث و تحقیق کا موضوع بنائیں گے تاکہ کسی متفقہ موقف تک پہنچنے کے لیے ان کی آرار سے استفادہ کیا جا سکے •••